حافظ صفوان محمد
انچارج پی ٹی سی ایل ٹریننگ سنٹر ملتان

نقاد کی پیمائش (۱)

This article is an in-depth analysis of Muhammad Hassan Askari's narrative and standpoints in different areas of literary resources especially those of contemporary and classical poetry, music, short-story writing and socioeconomics with special reference to Altaf Hussain Hali, Rashid Malik and Shan-ul-Haq Haqqee.

This long article is divided into three parts: Pre-Test, Post-Test & A Study of Askari's Lexis/ Radical Metaphor, which makes this study more interesting. But for the sake of readability, only first part is being produced here. As for the rest, readers are requested to wait for the next issue of Meyar.

ابتدائیہ

محمد حسن عسکری (1919-1978) اردو کے سفاک ترین تنقید نگار ہیں جن سے بڑا ''دہشت گرد'' اردو ادب و تنقید میں پیدا نہیں ہوا۔ وہ اپنے فعال ادبی دور میں پاکستان کی غالباً سب سے بلند آہنگ ادبی شخصیت تھے۔ اُن کی لفظیات (Lexis) اور ڈسکورس اپنے زمانے کے ادب و تنقیدِ ادب کی نمائندہ ہیں۔ ایک ستم ظریف کا قول ہے کہ عسکری کو کنفیوزڈ نقاد سمجھا جانا ایک عام مرض ہے جس کے مریض اُن پانچ نقادوں کے بھائی بہن بند ہیں جو اندھیرے میں ہاتھی ٹٹول آئے تھے اور واپسی پر اُس پہ تنقید فرما رہے تھے۔ خدا بھلا کرے جنابِ عزیز ابن الحسن کا جنھوں نے محمد حسن عسکری: ادبی اور فکری سفر لکھ کر اطرافِ عسکری کی ایک ایسی جھلک دکھائی ہے اور اُن کے بارے میں سنی سنائی پر یقین کرنے والوں سے مستفاد بعض گھڑے گھڑائے (Taken for granted) تصورات کو اپنی ادبی تفتیش سے ایسا چٹخا ہے کہ عسکری کی شخصیت بے غبار ہو گئی ہے اور اُن کے فکری سفر کے سبھی پڑاؤ، پس منظری و نواحی معلومات کے ساتھ، واضح ہو گئے ہیں۔ وہ ایک ماہر سفری گائیڈ کی طرح قاری کو عسکری کے فکری سفر کے ہر ہر سنگِ میل پر رک کر پس منظری معلومات دیتے ہوئے ایک سماں باندھ دیتے ہیں اور پھر اُس کا ہاتھ پکڑ کر اگلے سنگِ میل کی طرف چل پڑتے ہیں۔

عسکری کو ادبی بحثوں میں دوبارہ زندہ کرنا ایک اعتبار سے ایک بڑا کارِ خیر ہے کیونکہ اِس سے دائیں بازو کی اور مثبت ادبی سوچ کو ایک اہم فکری ستون فراہم ہو گا۔ ایک سنجیدہ قاری کی حیثیت سے میں سمجھتا ہوں کہ دائیں بازو کی سوچ والے اکثر اردو لکھاری ردِ عمل کی نفسیات کا شکار ہو کر بالعموم اپنے اصل کردار یعنی تعمیری ادب کی تخلیق کو فراموش کر کے مغرب سے

متعلق بحثوں میں ''حریف'' کی پوزیشن کو اپنی اصل اور بنیادی پوزیشن کے طور پر قبول کر لیتے ہیں، اور نتیجۃً مغرب کی ہر چیز اُنھیں ذاتی طور پر دکھی کیے دیتی ہے۔ ایسے میں ہر چھوٹی بڑی چیز اور نظریے کے مذہب و ثقافت دشمن ہونے کا محض یہ ثبوت کافی ہوتا ہے کہ اِس کا تعلق مغرب سے ہے، چنانچہ ترجیحات میں اصل کام اِس حریف کو چت کرنا ہو جاتا ہے۔ مغرب مغرب کی رٹ لگا کر مغرب اور اُس کے تلازمات کو گالی بنا دینے والا یہ غیر ذمہ دارانہ اور انہدامی کلامیہ (Discourse) ہی ردِعمل کی وہ نفسیات پیدا کرتا ہے جس سے بڑھ کر کوئی رویہ مغرب کے ایجنڈے کو آگے بڑھانے کے لیے مددگار نہیں ہوسکتا۔ افسوس یہ ہے کہ اِس طرح سے مغرب کے انہدام یا اُسے مطعون کرنے کی کوششوں کو یہ ''صالحین'' اپنے سماج میں مشرقی علوم و اقدار اور اپنے مذہبی بیانیے (Narrative) کے استحکام کی ضمانت سمجھ لیتے ہیں جب کہ امرِ واقع یہ ہے کہ یہ رویہ جہاں لکھنے لکھانے والوں میں تعمیریت کے جوہر کا بیج مار دیتا ہے وہیں انتہا پسند مغربی ڈسکورس کو بھی تقویت پہنچا رہا ہوتا ہے، کیونکہ ہمارے سماجوں میں منفی رجحانات اور فکری انتشارات کو فروغ دینا بعینہٖ اِس ڈسکورس کا بھی ایجنڈہ ہے۔ دنیا میں دو طرح کے ملک ہیں: (1) اپنی خدمات فروخت کرنے والے، اور (2) اُن کی خدمات خریدنے/سرانجام دینے والے۔ یہ دوسری طرح کے ملک سیاسی معاشیات کی زبان میں Rent seekers یا Rentier (بھاڑے کے ٹٹو؛ کرایہ دار) کہلاتے ہیں جو اپنی مہارتیں بیچنے کے لیے یوں ٹوٹے پڑتے ہیں جیسے ریلوے سٹیشن پر قلی مسافروں سے زلیخائی کرتے ہیں۔ مالدار ملک دنیا بھر میں اپنی ضرورت کا ادب، سیاسی و معاشی رجحانات اور جذبات پیدا کرانے کے لیے فنونِ لطیفہ کی سرپرستی کرتے ہیں اور اِس کے لیے فنکاروں اور قلمکاروں کی خدمات کرائے یعنی معاوضے پر لی جاتی ہیں۔ نہ صرف صوفیانہ، مذہبی اور جہادی بلکہ ادبی تحریکیں بھی اِسی فارمولے پر پیدا ہوتی/کی جاتی ہیں جو مختلف گروہوں کو باہم مصروف رکھ کر دراصل بعض ممالک کے سیاسی و معاشی مفادات پورے کرتی ہیں۔ چنانچہ آج تیسری دنیا کے کسی ملک میں مثلاً اگر انگریزی ادب پر دھواں دار بحث ہو رہا ہے تو کل کلاعربی، چینی، جاپانی یا روسی ادب پر بھی ہوسکتا ہے۔ الغرض مغربی ادب اور معاییرِ تنقید کا توڑ مغرب اور انگریز کو گالی دینا یا گالی بنا دینا نہیں بلکہ ایسا متبادل جاندار ادب اور اُس کی جانچ کی کسوٹیاں پیدا کرنا ہے جو ہمارے سماج کی حقیقی ضرورتوں کو اچھے طریقے سے پورا کرتا ہو۔

اصل حادثہ یہ ہوا ہے کہ ''خالص اسلام'' پسندوں نے تو مغرب کو حریف بنا کر پڑھنے لکھنے والے پاکستانیوں کی نسلوں کو منفیت اور نعرے بازی میں لگایا ہی لگایا، ایک خیال یہ بھی ہے کہ پاکستان کے عصری تعلیمی اداروں کے طلبہ طالبات میں یہ منفی رویہ پیدا کرنے کے بنیادگزاروں میں محمد حسن عسکری بھی شامل ہیں۔ کچھ ایسی ہی وجوہات ہیں کہ پچھلے تیس چالیس برسوں سے اردو میں نہ عصرِ حاضر کی ضرورت کا اچھا ادب پیدا ہوتا ہے اور نہ ادب پہ ڈھنگ کی تنقید ہی ہوتی ہے۔ اِسی void نے ہمارے ہاں ایسے نوجوانوں کی بہتات کر دی ہے جو تخلیق کے نام پر ہماری ادبی روایت سے مربوط دو صفحے نہیں لکھ سکتے البتہ مغرب کے تعمیراتی سامان سے تیارہ کردہ تنقیدی انجینئرنگ کے ایسے شاہکار کھڑے کر دیتے ہیں کہ حیرت

ہوتی ہے۔ اِس منفی رویے نے ہمارے دور کے ادب کو فکری طور پر اپاہج بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

واضح رہے کہ ''ہماری ادبی روایت'' سے میری مراد برِعظیم میں پنجاب اور اِس کے آزو بازو کے علاقوں میں گزشتہ بیسیوں صدیوں میں پیدا ہونے والا ہر نوعی ادب اور اِسے پیدا کرنے والی تہذیب ہے۔ میں اردو کی پیدائش اور اردو ہی کے اُس ادب اور اِندلمانی روایت (Indo-Muslim Tradition) کو اپنی ادبی روایت کا نقطۂ آغاز نہیں سمجھتا جو کمپنیوں اور برطانوی راج کے کارپرداز انگریزوں نے فورٹ ولیم کالج کے دور کے آس پاس سے شروع کر کے ایک صدی تک پیدا کرایا۔ اِس نو پیدا ادب کو ہندوستان کے قبل از اسلام ماضی سے کوئی خاص تعلق نہ تھا اور اِس کا بیشتر حصہ دساوری مال کو نئی پیکنگ میں پیش کرنے پر مشتمل تھا۔ نیز یہ وضاحت ضروری ہے کہ چونکہ دہلی 1859 سے پنجاب میں شامل کیا جا چکا ہے اِس لیے میرے نزدیک سرسید احمد خاں اور اُن کے عالی مقام رفقا سمیت سب کا کیا ہوا ادبی کام جغرافیۂ پنجاب ہی کا پیدا کیا ہوا ادب ہے، جو یہاں کی قدیم ادبی روایت کے متوازی پیدا کیا گیا اوّلین مقصدی ادبی و تعلیمی کارپس (Corpus) ہے۔

اواخر 2019 میں پروفیسر عزیز ابن الحسن کی عنایت سے محمد حسن عسکری: ادبی اور فکری سفر ہمدست ہوئی تو ایک جانب پرانے مطالعے نے دشتِ ذہن میں سر اٹھایا تو دوسری جانب اِس بات کو بہتر سمجھا کہ اپنے حاصلاتِ مطالعہ (قدیم و جدید) کو تحریر کا پیکر دے دیا جائے تاکہ تفہیمِ عسکری کے باب میں اپنے فکری سفر کی چھان پھٹک ہو سکے۔ برس دن گزرے، ایک خاص ضرورت سے میں نے سنگِ میل والوں کی شائع کردہ مجموعہ محمد حسن عسکری (دونوں جلدیں) پڑھی تھیں اور عادۃً اِن کے نوٹس الگ الگ کاغذوں پر لیے تھے۔ اب نہ یہ کتابیں میرے پاس ہیں اور نہ اُن میں رکھے یہ یادداشتی شذرات۔ گزرانِ وقت کا شکار پڑھت جو ذہن کے کسی کونے کھدرے میں رکھی ہے اُسے لکھتے وقت برٹرینڈ رسل (Bertrand Russell) کے یہ الفاظ یاد آ رہے ہیں گو اِن کا تعلق سنی گئی بات سے ہے نہ کہ پڑھی گئی کتاب سے:

> ''کسی احمق کی زبانی کسی دانا کی روایت کبھی ہو بہو درست نہیں ہوتی کیونکہ وہ، لاشعوری طور پر، سنے گئے کو سمجھے گئے میں ترجمہ کر دیتا ہے۔'' [1] (یہ قول یہاں پیش کرنے کی وجہ اِس میں استعمال کیا گیا اسمِ صفت ہے۔)

اِس لکھت کے بہانے نہ صرف حافظے اور فہمیدگی کا امتحان ہو جائے گا بلکہ ملکی ادبی تاریخ کے ایک مشہور آدمی پر ایک Chaste Thought بھی محفوظ ہو جائے گی۔ بعد ازاں اِس مطالعے کی بنیاد پر چند سوالات و نِکات کو ترتیب دوں گا تاکہ میرے علم و معلومات میں جو تبدیلی/بہتری آئی اُسے اِس طور سے مرتب کر لیا جائے کہ ایک جانب میرے فکری سفر کی

Navigation ہو سکے تو دوسری جانب عسکری کے متون کی تفہیم کے بارے میں میری نئی Current Location مجھے خود بھی معلوم ہو سکے۔

میں شعبۂ مواصلات اور اطلاعیات کی تکنیکی تربیت کے ادارے سے وابستہ ہوں۔ تربیتی پروگراموں میں خود آموزی (Self Learning) کی جانچ کی سب سے اچھی تکنیک یہ ہے کہ تربیتی سیشن شروع کرنے سے پہلے شرکاء میں کورس کے مواد سے متعلق ایک سوالنامہ بانٹا جاتا ہے کہ وہ اِسے مکمل کر کے اپنے پاس رکھیں۔ اِس کے بعد کورس پڑھایا جاتا ہے۔ سیشن کے اختتام پر شرکاء اُسی سوالنامے کو دوبارہ مکمل کرتے ہیں۔ اِس طرح ہر شریکِ کورس کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس نے آج کیا سیکھا اور اُس کے پاس موضوع سے متعلق پہلے سے موجود علم و معلومات میں کیا اور کتنی بہتری آئی۔ سیشن شروع ہونے سے پہلے مکمل کیا گیا سوالنامہ Pre-Test کہلاتا ہے اور بعد میں مکمل کیا جانے والا Post-Test۔ زیرِ نظر تحریر کے پہلے دو حصے اِس تربیت کے تحت مطالعۂ عسکری کو بطور Tangible Reality پیش کرنے کی ایک کاوش ہے۔ پہلے حصے سے مجھے معلوم ہوا کہ ''میں کیا جانتا ہوں؟/ میں کہاں کھڑا ہوں؟'' اور دوسرے حصے سے مجھے معلوم ہوا کہ ''میں اب کیا جانتا ہوں؟/ میں اب کہاں کھڑا ہوں؟''۔ تیسرا حصہ عسکری کے Reality Principle کی تعیین اور اُن کی منتخب تنقیدی تحریروں کی لفظیات کے مطالعے سے کیے گئے کچھ تجزیات ہیں۔

تاہم قدیم حاصلاتِ مطالعہ کی جانب مبذول ہونے سے پہلے چند باتوں کی نشان دِہی کرنا مناسب ہوگا۔ اول، مضمون کی روانی کو متاثر ہونے سے بچانے کے لیے عسکری اور دیگر کے بعض ایسے مشہور جملوں کو متن کا حصہ بناتے ہوئے حوالہ نہیں دیا گیا جو اِس مضمون کے بیشتر قاریوں کے اجتماعی لاشعور کا حصہ بن چکے ہیں۔ ایسے جن مآخذ سے آزادانہ استفادہ کیا گیا ہے اُن کی صراحت حواشی میں البتہ کر دی گئی ہے۔ دوم، اِس مضمون میں ''عسکری کا دور'' کا ذکر اکثر ملے گا۔ اِس بارے میں واضح رہنا چاہیے کہ لفظ ''دور'' سے کب اور کون سا دورانیہ مراد ہے۔ بخروجِ تراجم عسکری کی پہلی ادبی کتاب جزیرے 1943 میں، دوسری قیامت ہمرکاب آئے نہ آئے 1947 میں، تیسری انسان اور آدمی 1953 میں، چوتھی ستارہ یا بادبان 1963 میں اور پانچویں وقت کی راگنی 1979 میں (بعد از وفات) شائع ہوئی۔ عسکری بنیادی طور پر مضمون نگار تھے اور اُنھوں نے 1948 میں 27، 1949 میں 43، 1950 میں 20، 1951 میں 7، 1952 میں 14، 1953 میں 22، 1954 میں 29، 1955 میں 21، 1956 میں 21 مضمون لکھے، اور اِس کے بعد یہ تعداد ہر سال کم ہوتی گئی۔ 1958 سے اُنھوں نے مذہب کی باقاعدہ تعلیم لینا شروع کی تو تخلیقی انقباض (Writer's Block) کا یہ حال ہو گیا کہ وفات (18 جنوری 1978) تک کئی کئی سال تو کچھ بھی نہ لکھا۔[2] چنانچہ جب ''عسکری کا دور'' لکھا ہو تو اِس سے مراد اُن کا فعال ادبی دور ہوتا ہے جو اصولی طور پر 1943 سے 1963 تک ہے (یعنی تقریباً 20 برس کا دورانیہ یا اِس کا کوئی حصہ) سوائے اِس کے کہ اِس کی صراحت کی جائے۔ تاہم عزیز صاحب نے اپنی ادبی تفتیش کے

ذریعے جو سب سے بڑا کام کیا ہے وہ یہ دلائل اِس بات کو ثابت کرنا ہے کہ مذہبیات کا ہو رہنے کے زمانے میں بھی عسکری نے ادب سے صرفِ نظر نہیں کیا تھا چنانچہ اُن کی ادبی زندگی کا دورانیہ 20 سال نہیں بلکہ 40 سال ہے۔ اپنے اِس انکشاف اور دعوے کی دلیل میں اُنھوں نے مظفر علی سید جیسے تابندہ نظر نقاد کی گواہی پیش کی ہے (ص 192)۔

لیجیے اب اپنی پڑھت کو ڈھیلی ڈھالی سلسلہ وار لکھت میں بدلنے کی کوشش کرتا ہوں۔

فصلِ اول: مطالعۂ عسکری (Pre-Test) (2009ء)

1: عسکری معروف معنی میں نہ تو ترقی پسندوں کے ہاتھ لگے نہ کھٹے اسلام پسندوں کے۔ وہ مزاجاً ترقی پسند تھے لیکن اِس ترقی پسندی کا مطلب ادب کی آڑ میں مارکسزم کی سیاسی ہوا خواہی نہ تھا، چنانچہ اُنھوں نے نہ ''ترقی پسند'' ادب لکھا اور نہ ''دستور سازی'' کی تحریک کا حصہ بنے (پارصدی میں پچاس کی دَہائی میں پاکستان کا آئین بنانے کی کوششوں میں بعض لکھاری شریک ہو گئے تھے جن کے بارے میں ابنِ انشاء نے خمارِ گندم میں لکھا ہے کہ دستور سازی گھریلو صنعت بن گئی تھی۔) اردو ادب میں نت نئے مباحث چھیڑنے کے ساتھ ساتھ ''پاکستانی ادب'' کی ترکیب بھی غالباً عسکری ہی نے گھڑی، اور پھر اِس کی بنیاد بھرنے اور عمارت اٹھانے کے لیے تادیر پہلے تنقیدِ ادب اور پھر مذہبیات پر لکھتے رہے۔

2: عسکری کی تراشی ہوئی راہ ترقی پسندوں اور اسلامیت پسندوں سے اِس طرح مختلف رہی کہ وہ ادب کی ترقی پسندوں والی سیاست کے حامی نہ تھے کیونکہ یہ بالآخر حکومت و ریاست کا فرق نہ کرنے اور سرحدوں کی لکیریں مٹانے کی بات تک پہنچ جاتی تھی، جب کہ ''خالص اسلام'' پر زور دینے والوں کی حمایت سے وہ اِس لیے دست بسر تھے کہ یہ لوگ اصلی اور خالص اسلام کے اندر اُن علمی روایتوں، اداروں اور فنونِ لطیفہ کی گنجائش نہ پاتے تھے جو مسلمانوں نے صدیوں کے تہذیبی سفر میں پیدا کی ہیں۔ یہ اِسی فکری انتشار اور نظریاتی دوئیت کا شاخسانہ ہے کہ آج پاکستان میں ایسے حیاتیاتی انسانوں کی کمی نہیں جو ہر فکری اور زمینی حملہ آور کا دست و بازو بن جاتے ہیں اور ہر قومی سانحے پر پانچویں کالم والوں کے ساتھ جا ملتے ہیں، اور دوسری طرف ایسے حیاتیاتی انسان بھی بڑی تعداد میں ہیں جن کے جگر میں ملت اور مسلم امہ کے نام پر سارے جہان کا اِس قدر شدید درد اٹھتا ہے کہ وہ اپنے اپنے فرقوں کی ہمدمی میں پوری دنیا میں اپنے اپنے برانڈ کی خلافت قائم کرنے کی کوشش میں ملکی و بین الاقوامی سرحدوں کی پامالی تک کے لیے استعمال ہو جاتے/کر لیے/کرا لیے جاتے ہیں۔ ڈھگے فروختند و چہ گراں فروختند۔ یہ مخصوص حلقوں کی طرف سے پیدا کیا جانے والا ایک خاص فکریہ (مائنڈ سیٹ) ہے کہ پاکستان کی سرحدوں کو تاریخی تقدس حاصل نہیں ہے جس طرح مثلاً جرمنی، فرانس اور افغانستان وغیرہ کی سرحدوں کو حاصل ہے۔ تاریخی اور سیاسی مطالعے میں ذرا وسعت لائی جائے تو تیسری دنیا کی ایک

شدید غیر مستحکم معاشی وسیاسی مملکت میں یہ مائنڈ سیٹ پیدا کرنے کی وجوہات بالکل سامنے کی چیزیں ہیں۔

2.1: وطنِ عزیز کے قیام کے ابتدائی چند سال میں کہ جب ہر طرف نفاذِ اسلام کی آوازیں جائز طور پر اٹھتی تھیں، آزادیِ فکر اور مذہبی آزادی کی علم بردار تحریکوں کی سرگرمی میں کہیں کہیں موجود اِس بنیادی زہرناکی کو محسوس کرنے والے لوگ جم ہی جم میسر تھے جن میں کے ایک محمد حسن عسکری بھی تھے باوجودیکہ وہ اُن دنوں ''پاکستانیت کے اُڑ کر لگنے والے جذبات'' میں سرشار اور ریاست وادیب کی وفاداری کے مسائل چھیڑ کر ایک ہنگامہ اٹھائے ہوئے تھے، اور ادب کی اِقلیم میں تو وہ اُن پڑھے لکھے بہت ہی کم لوگوں میں شامل تھے جو پاکستان بننے کے ابتدائی مہ وسال میں اِس دوطرفہ انتہا پسندی کے کُوڑھ کی کاشت کے خلاف پورے قد کے ساتھ کھڑے رہے۔ اُن کی تحریروں میں وطن کی محبت پر کسی سمجھوتے کا نشان نہیں ملتا اور نہ وطنیت اور قومیت پر کوئی احساسِ کہتری (وطنیت خالص غیر جمعیتی معنوں میں، جمعیت سے مراد جمعیتِ علمائے ہند؛ اور قومیت سے مراد مسلمانانِ پاک و ہند)۔ اُنھیں اپنی اِن دونوں شناختوں پر باوقار ناز تھا جن سے وہ کبھی دستبردار نہیں ہوئے اور درست لفظی معنوں میں ''حب الوطن من الایمان'' کی عملی تصویر تھے۔ اُن کے نزدیک اسلام اور مسلمان الگ وجود نہ تھے اور پاکستان کا قیام مسلمانوں کے قومی وملی کلچر اور شناخت کو محفوظ رکھنے کا واحد راستہ تھا، اور نئے وطن کی تخلیق وتعمیر میں دائیں بازو کی ہدایات کے مطابق اپنا مثبت کردار ادا کرنا ادیبوں کا گویا فرضِ منصبی تھا۔

میں سمجھتا ہوں کہ عسکری وغیرہ کا ''پاکستانی ادب'' پیدا کرنے کا مطالبہ اُس دور کے اعتبار سے بالکل درست اور جائز تھا۔ واضح بات ہے کہ جیسے بدلتی سرحدوں کے باعث دنیا کے نقشے پہ امریکہ پیدا ہوگیا اور امریکیوں نے اپنی قوت کے بوتے پر امریکن لٹریچر پیدا کرلیا، یا اِسی طرح مثلاً ڈینش یا جرمن یا فرانسیسی ادب پیدا ہوگیا، تو دنیا کے نقشے پر پاکستان کے پیدا ہو جانے کے بعد ایک پرجوش قوم کا پاکستانی ادب پیدا کرنا کیوں غلط تھا؟ جب ترقی پسند ادب ہوسکتا ہے تو وطن پسند ادب کیوں نہیں ہوسکتا؟ امریکی یا فرانسیسی ادب پڑھ کر اور اُس کے حوالے دیتے دیتے اور اپنے ہاں تخلیق کیے جانے والے ادب پر چھینٹے اڑاتے اڑاتے یہ استفراغ فرمانا کہ ادب کی سرحدیں نہیں ہوتیں، کس قدر ڈھٹائی اور داخلی تضادات سے بھرپور دعویٰ ہے۔ تاہم میرے نزدیک اِس ''پاکستانی ادب'' کو برِعظیم کی قبل از اسلام ادبی وثقافتی روایت کے سلسلۃ الذہب سے لازمًا جڑے ہونا چاہیے۔ نیز اِسی طرح ''اسلامی ادب'' بھی درست مطالبہ تھا کیونکہ اگر ادب برائے ادب یا ادب برائے زندگی ہوسکتا ہے تو ادب برائے مذہب کیوں نہیں؟ اگر ہندو لٹریچر اور عرب لٹریچر ہوسکتا ہے تو اسلامی ادب میں کیا قباحت ہے؟ واضح رہے کہ میں مذہب زدہ اور مذہب گزیدہ ادب کا شدید ناقد ہوں اور مذہبی پروپیگنڈہ میں لتھڑی پمفلٹ تحریر کو تیسرے درجے کے ادب کے غلط نامے تک میں جگہ دیے جانے کا روادار نہیں ہوں۔ ادب کے نام پر اُوت کاروں کے بھونپو پن (پروپیگنڈیت)

والی تحریروں کے بارے میں بھی میری عین مین یہی رائے ہے۔

2.2: عسکری ایک دور میں اِس معاملے میں واضح سوچ رکھتے نظر آتے ہیں کہ ادب کو سیاست سے الگ رکھا جانا چاہیے اور سیاسی لگاوٹوں کی وجہ سے ادب کا خون نہیں ہونا چاہیے۔ مسلم لیگ اور دائیں بازو سے اپنی گہری سیاسی وابستگی کے باوجود وہ ادبیات میں اصولاً سیاسی لگاوٹ کو درنہ آنے دیتے تھے (تاہم اُن کی اِس سوچ کو دانشِ حاضر کے پاکستانی سیاسی محاورے والی ''سیکولر'' سوچ نہیں سمجھنا چاہیے)۔ چنانچہ شدید گروپ بازی کے اُس دور میں مقتدرہ کے ایما پر جب 31 جنوری 1959 کو پاکستان رائٹرز گلڈ بنایا گیا جس میں دائیں اور بائیں دونوں بازوؤں کے ادیب شاعر جوت لیے گئے تو عسکری اُس میں بھی شامل نہ ہوئے۔ عسکری کا، جو فطرۃً بائیں بازو سے مختلف مزاج رکھتے تھے اور قرار دادِ مقاصد، سیفٹی آرڈیننس اور احتساب کے نام پر سیاستدانوں کی پکڑ دھکڑ کے اور ایوب خان کے سخت حامی تھے اور پاکستان کے خلاف شکوک وشبہات پھیلانے والوں پر پچاس سال کے لیے پابندی لگانے کا مطالبہ کر رہے تھے، یہ فیصلہ فراریت پسندی کہا جائے یا انفرادیت پسندی، یا اُن کے اپنے الفاظ میں اڑیل پن، نتیجے کے اعتبار سے بہرحال ایسا ادبی فیصلہ ثابت ہوا جس سے وہ بالآخر ادبی تنہائی کا شکار ہو کر رہ گئے۔ نیز یہ بات بھی اہم ہے کہ ادیبوں کی ایک بڑی تعداد نے مقتدرہ کا نفسِ ناطقہ بنے اور دلیلِ چوبی (Argumentum ad baculum) کے حامی عسکری کی سخت مزاحمت کی اور اُن کی اِس قسم کی ڈکٹیشنیں قبول نہ کیں، اور نہ اُن کی عظمت کو اور پاور بروکر بننے کو تسلیم کیا۔

3: عسکری کی افسانہ نگاری چونکہ The Road Not Taken ہو گئی تھی اِس لیے یہ کوئی ایسا موضوع نہیں جس پر بات کی جائے، تاہم میں نے اُن کے افسانے پڑھ رکھے ہیں اِس لیے چند سطروں میں اِس بات کو سمیٹ دیتا ہوں۔ مجھے کرافٹ کے اعتبار سے اُن کا سب سے اچھا افسانہ ''حرام جادی'' لگا کیونکہ لفظیات کے پیمانے پر یہ افسانہ اپنے دور سے نکھیڑا نہیں جا سکتا، اگرچہ اِس کے موضوع میں کوئی ندرت نہیں ہے۔ عسکری نے جب یہ افسانہ لکھا اُنہی دنوں میں جنابِ شان الحق حقی نے ملتے جلتے موضوع پر اپنا یادگار افسانہ ''اناڑی کی اِچھا'' لکھا۔ عسکری اور حقی دونوں نے ترقی پسند تحریک کے ابتدائی زمانے میں افسانے لکھے جن کے موضوعات بھی ترقی پسندی کے مخصوص موضوعات سے لگّا کھاتے تھے لیکن دونوں نے افسانہ نگاری کو کیریر نہ بنایا، ورنہ یہ بھرپور آغاز تھا۔ عسکری نے تو ترقی پسندی کے مخصوص موضوعات پر پانچ سماج آسا افسانے لکھنے کے بعد زندگی بھر ادب تخلیق نہ کیا تاہم حقی اپنی وفات تک نثر و شعر دونوں میں لکھتے لکھاتے رہے۔

تخلیقِ ادب کے اِس دور میں ایک خاص چیز عسکری کے ہاں یہ ہے کہ اُنھوں نے جنس کو موضوع بنانے کے باوجود اپنی

ادبی مایا کو جنس آلود نہیں ہونے دیا اور بقول شاد عارفی، جنسیاتی وِردووظائف تعلیم کرنے یا عضویاتی نقد ونظر کرنے سے گریز کیا ہے۔ یہ بڑی صفت ہے جس کا اظہار بے شک بہت ریاضت مانگتا ہے۔ جنس کے ذکر کے معاملے میں عسکری اُس نظریے کو عملاً استعمال کرتے نظر آتے ہیں جس کا پروفیسر عزیز احمد صرف دعویٰ کرتے ہیں (بقول عابد صدیق، عزیز احمد جنس نگاری کے جواز کے طور پر طنز کو حسیاتی بنا کر پیش کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، جو اُن کا تکلف یا استادی ہے)۔[3] واضح رہے کہ عسکری سخت قسم کے فرائڈین رہے ہیں۔

4: عسکری تنقیدِ ادب میں رفتہ رفتہ ہی آئے۔ پہلے افسانے لکھے؛ ادارۂ فرینکلن (Franklin Publications Lahore) کی جانب سے انگریزی سے اردو تراجم کا کام ملا؛ پھر تنقیدِ ادب خصوصاً شعر، فلسفہ، نفسیات، موسیقی، فنِ تعمیر، فوٹو گرافی، اور پھر ساری ادبی تپسیا کو بھٹکی ہوئی نیکی کی طرح جھٹک کر نظری تصوف و مذہبیات۔ فرائڈ (Sigmund Freud) کے نظریۂ لاشعور سے اپنے ادبی سفر کا آغاز کرنے والے عسکری مندرجۂ بالا سنگہائے میل سے گزرتے گزرتے اور ادب وتنقید کے منظر نامے سے اختیاری طور پر بالکل غائب ہوجانے کے بعد وفات کے وقت قرآنِ پاک کی ایک دیوبندی تفسیر کا انگریزی ترجمہ کر رہے تھے! اِس آخری کارگزاری والے نقطے پر کھڑے ہوکر اُن کی پچھلی ساری زندگی پر نگاہ ڈالیں تو اُن کے وہ جملے یاد آتے ہیں جو فن اور شخصیت کے حوالے سے ادیبوں کی قسمیں بیان کرتے ہوئے اُنھوں نے فراق گورکھپوری کے بارے میں لکھے ہیں:

> ''عام طور سے ادیب اپنی تحریروں کے برابر بھی نہیں پہنچتے... فراق صاحب کی قسم کے لوگ اپنی تحریروں سے اِتنے آگے نکل جاتے ہیں کہ اُن کے بارے میں ہر دفعہ نئی طرح سوچنا پڑتا ہے اور اُن کا خلاصہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔... پہلی قسم کے لوگوں کے بارے میں بہت کچھ اپنی طرف سے بیان کرنا پڑتا ہے تب جاکے وہ دلچسپ بنتے ہیں۔ دوسری قسم کے لوگوں کے بارے میں ہمیشہ بہت کچھ بیان ہونے سے رہ جاتا ہے۔...''
>
> [4]

اِس تقسیم کی روشنی میں میں عسکری کو یوں سمجھا ہوں کہ عسکری اپنی تحریروں سے آگے تو نہیں، تحریروں کو چھوڑ کر ایک طرف نکل گئے تھے۔ یہ سب سے بڑی وجہ ہے کہ اُن کے نظری تضادات کا کوئی ایک خلاصہ یا فکریہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ مختلف ادبی تجربات کے بعد باطنیات و مذہبیات پر اختتامِ عسکری کا انتخاب تھا جس کا اُنھیں جائز، جمہوری حق حاصل ہے کیونکہ راستے کا انتخاب وارتداد ہر انسان کا جمہوری حق ہے۔

ہم نے بعد از خرابیِ بسیار
ذات کو اپنی انجمن جانا

5: عسکری کے تنقیدی مضامین کے موضوعات کا جائزہ لیا جائے تو وہ اپنے عہد کے سوالات پر سوچتے اور اُن کے جوابات دینے اور دلانے کے لیے فعال اور سرگرم نظر آتے ہیں تاہم یہ خیال رکھتے ہیں کہ خود کسی ادبی معرکے میں کام نہ آ جائیں، مطلب کہ اُن کا لکھا خواہ کتنا ہی سخت اور بعضوں کے لیے کیسا ہی ناگوار ہو، ایسا ہرگز نہ ہو کہ مقتدرہ اور ایجنسیوں کو ناخوش آئے۔ اُنھوں نے غالباً والٹئر (Voltaire) سے یہ سبق سیکھا ہوگا کہ مقتدرہ کو اصطبل کے گھوڑوں کے بجائے دربار کے گدھے فروخت کر کے خزانہ بھرنے کا مشورہ نہیں دینا چاہیے۔ تربیت کی اکہر کی وجہ سے منجھے ہوئے ادیب بھی بعض اوقات چوک جاتے ہیں اور ایسا کچھ لکھ جاتے ہیں جو قابلِ دستِ اندازیِ سرکار ہو جاتا ہے تاہم جو ادب نگار صحافت والی دوہر رکھتے ہیں وہ زیادہ کائیاں ہوتے ہیں اور مجازِ مرسل کا ہنرمندانہ استعمال کرتے ہیں۔ عسکری نے اپنی تنقیدی کائنات کی زائیدگی کے لیے موضوعات اور اطرافِ تنقید کے انتخاب میں نہایت تیز نگاہی سے کام لیا ہے اور کچھ ایسی ہی روش اختیار کی ہے کہ اُن کا کام دونوں طرف کے لوگوں کی ضرورت کا ہو، چنانچہ وہ عند الضرورت ادب و آرٹ سے لے کر مذہب تک، سب پر لکھتے ہیں۔

6: عسکری کے بعض مضامین کے عنوانات ہی اِس قدر سنسنی خیز اور توجہ کھینچنے والے ہیں کہ بیشتر ادبی دنیا اُن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی۔ ''اردو ادب کی موت'' بھی ایک ایسا ہی عنوان ہے جو اُن کے ستمبر 1953 میں شائع ہونے والے مضمون کا تھا۔ حیرت ہوتی ہے کہ اِس ایک مضمون نے اُس وقت کی تمام معلوم اردو ادبی دنیا کو کس طرح اپنی طرف مبذول کیا ہوا ہے اور گرما گرم ادبی بحثوں اور معرکوں کا نقطۂ آغاز بن گیا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اِس مصرعِ طرح پر دور نزدیک کے سارے شاعر متشاعر دوغزلے سہ غزلے سنا رہے ہیں اور کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی، یا یوں کہہ لیجیے کہ عسکری وہ نَے نواز (Pied Piper of Hamelin) نظر آتے ہیں جس کی مادھوری آواز کے پیچھے اردو ادب میں نئے لکھنے والوں کا ایک جہان کا جہان بے سدھ ہو کر چل پڑا ہے۔

یہ سوال ابھی تک میرے ذہن میں اپنی جگہ کھڑا ہے کہ عسکری اردو ادب کی موت کس چیز کو کہہ رہے تھے، یعنی ادب کی صورتِ حال میں کون سا ایسا تغیر آ گیا تھا جو زندگی اور موت جیسا تھا۔ حالی کو نقاد ہی نہ مانتے اور اقبال و پریم چند تک کی نفی کرتے عسکری کے نزدیک اردو ادب میں کچھ رکھا ہی نہیں ہے، اور 1930 کی دہائی کے وسط سے لے کر 1940 کی دہائی کے وسط تک کے دس سال میں جو ادب پیدا ہوا وہ کسی کام کا نہیں، بلکہ جب میٹھا برس لگتا ہے تو سکول کی لونڈیائیں تک پیڑو کی آنچ سے ایسا ادب پیدا کر لیتی ہیں۔ (یاد رہے کہ اُس دور میں انگریزی پڑھے لوگوں کا اردو کے ادب کو ہیٹھا سمجھنا ایک عام بات تھی اور شاید ہی کوئی ایسا ملے جسے اپنی انگریزی تعلیم کا زعم نہ ہو۔) جس زمانے میں اُنھوں نے یہ فقرے بازی کی تھی اُس وقت قرۃ العین حیدر لکھ رہی تھیں، عزیز احمد لکھ رہے تھے، شفیق الرحمٰن، قاضی عبد الستار، ناصر کاظمی، فراق، غلام عباس، محمد خالد اختر، نیز پطرس، ابنِ انشاء، وغیرہ، سب لکھ رہے تھے۔ اگر اِن سب

لوگوں کا لکھتے ہونا ادب کی موت تھا تو زندگی کیا تھی؟ القصہ جو لوگ ادب تخلیق کر رہے تھے اُن کو اِس سانحے کے اعلان سے کوئی فرق نہیں پڑا کیونکہ یہ کبھی پیش ہی نہیں آیا تھا۔ ادب جتنا زندہ عسکری کے اِس اعلان سے پہلے تھا اُتنا ہی زندہ اِس کے بعد بھی رہا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ ادب کی موت کا اعلان کرتے وقت عسکری کے تصور میں ادب کے ''قاری'' کی سطح وہی تھی جو بقول اجمل کمال، اُن کے اسلامیہ کالج کے طلبہ طالبات کی ہوتی تھی۔ نیز عسکری کے اِن موضوعات والے مضامین میں سارتر (Jean Sartre) کے وجودی فلسفے کی بازگشت سی سنائی دیتی ہے کہ ادب پیدا کرنے والا انسان اُنھیں ناکارہ، خراب، اداس بلکہ لایعنی میں مبتلا پاگل محسوس ہوتا ہے۔

اِسی ''اردو ادب کی موت'' والے ایک جملے پر بس نہیں، مختلف مضامین میں عسکری ایسے کئی چلتے جملوں (Catchphrases) سے کام لیتے نظر آتے ہیں جو اپنے اپنے موقع پر باقاعدہ ادبی سیاسی نعرے رہے ہیں۔ چنانچہ اُن کے مضامین اپنے دور کے نہ صرف ادبی موضوعات کے بلکہ اپنے دور کی چپچپاتی چنگھاڑتی نمائندہ ادبی لفظیات (Literary Discourse/ Lexis) کے بھی جامع ہیں۔

7: اردو کے بعض نقادوں اور محققین کو جستہ جستہ پڑھنے کا موقع ملا۔ تنقید لکھنے والے بیشتر لوگ ایسے ملے جو اپنی بات اُن لفظیات اور مشکل مشکل اصطلاحات میں کرتے ہیں جو شہرِ ادب کے ہزار دو ہزار باسیوں ہی کو سمجھ آ سکتی ہے۔ عسکری بھی ایسا ہی کرتے ہیں جس پر کلیم الدین احمد نے بجا طور پر انگلی رکھی ہے۔[5] لیکن چونکہ وہ کالم لکھتے تھے جو عام پبلک بھی پڑھتی تھی اِس لیے وہ اپنے مضامین میں سادہ اور عام فہم اسلوب بھی لاتے ہیں۔ چنانچہ اُن کے بہت سے مضمون رواں دواں لفظیات کے حامل ہیں اور وہ اُنھیں نقادوں کے علم میں اضافے کا سامان کرنے کے ساتھ عام قاری کے مطالعے کی چیز بھی بنا دیتے ہیں۔ دراصل عسکری نے ''عوام سے بیگانہ ہو کر'' بزعمِ خود اردو ادب کی ''خدمت'' کرنے والے صحافیوں کا مسئلہ سمجھ لیا تھا اِس لیے وہ اپنی تحریروں اور اُن کی بُنت میں عوامی دلچسپی کا عنصر شامل رکھنے کی شعوری کوشش کرتے تھے۔ وہ چھوٹی سی بات کو بہت سے خوش منظر الفاظ اور مثالوں میں بیندھ کر اپنی تحریر کی Readability (دلچسپی) بڑھانا جانتے ہیں جس سے قاری کی دلچسپی نہ صرف دورانِ مطالعہ قائم رہتی ہے بلکہ مضمون کے بعض الفاظ قاری کے ذہن سے چپک جاتے ہیں جنھیں وہ موقع بموقع استعمال کرتا رہتا ہے۔

لیکن یہ رائے عموم کے اعتبار سے ہے۔ عسکری کی بعض تحریروں میں مثلاً مخصوص مارکسی اور مذہبی و متصوفانہ لفظیات اور اصطلاحات کی فی مربع انچ کے حساب سے اِس قدر ٹھونسم ٹھانس ملتی ہے کہ پناہ بخدا، اور مدعا خبط ہو جاتا ہے۔ ایسی تحریر کو سادہ کس طرح کہا جا سکتا ہے جسے سمجھنا ادب لکھنے والوں کے لیے بھی سعیِ نامشکور ہو؟

8: عسکری کے ہاں ایک دور میں تشکیک بھی ملتی ہے۔ تشکیک صرف عسکری یا چند مسلم و غیر مسلم ادیبوں کا مسئلہ نہیں بلکہ یہ ہر

دور کے فہیم لوگوں پر گزرنے والا حال ہے۔ یاد کیجیے کہ عسکری ہی کے زمانے میں مثلاً عبدالماجد دریابادی نے بھی خود پر بیتنے والے تشکیک والحاد کو تحریراً تسلیم کیا ہے۔ تشکک بیسویں صدی کے بڑے حصے میں مغربی ادب پر وجوداً چھایا رہا ہے اور عسکری نے بھی اِس کے اثرات قبول کیے تاہم اُنھوں نے ہنرمندی سے خود کو مذہبی قوتوں کا ہدف بننے سے بچایا۔ بعضے خیالات کو معرضِ تحریر میں نہ لانا ہی عقل مندی ہے۔ لکھاری کو یہ حق ہے کہ وہ جو چاہے لکھے اور جس چیز کو لکھنے سے رکنا چاہے رک جائے۔

9: اِس بات کا ذکر بھی کر دوں کہ بلند آہنگ الفاظ کی وجہ سے عسکری کی ادبی جاگری میں Hacking (علمی بددیانتی) کا شائبہ نہیں گزرتا تاہم کلیم الدین احمد جیسے کئی مغربی زبانیں جاننے والے تیز نگاہ متنی نقاد نے اُن کے ہاں ایلیٹ (Eliot) اور دیگر کی دانشورانہ اِملاک (Intellectual Property) کو بے حوالہ استعمال کرنے پر سوالیہ نشان لگایا ہے۔

10: ہر لکھت ادبی نہیں ہوتی اور نہ ہر لکھنے والا سبھی کچھ لکھ سکتا ہے۔ اگر یہ نکتہ سمجھ آ جائے تو پورا عسکری سمجھ آ سکتا ہے۔ عسکری ادبی نقاد نہیں بلکہ مضمون نویس اور کالم نگار تھے۔ اصل میں اُن کے کئی روپ ہیں اور سب ایک دوسرے سے بالکل مختلف، چنانچہ اُن کو ادب کی کسی ایک شیلف میں رکھا جانا ممکن نہیں۔ جن دنوں وہ افسانہ نگار تھے اُن دنوں وہ تنقید کے بارے میں کچھ اور لکھتے تھے۔ جب افسانہ لکھنا چھوڑا اور تنقید ہی دستکاری ٹھہری تو تنقید کے بارے میں اپنے پچھلے بیانات کی تنسیخ کرنے لگے۔ یہی کچھ شاعری کے بارے میں اُن کی رائے کا حال ہے۔ اور یہ سب کچھ لکھتے لکھاتے جب وہ مذہب، روایت و مابعدالطبیعیات کے ملغوبے کو درمیان میں لا لٹکاتے ہیں (بلکہ ان کے بغیر تو وہ لقمہ بھی نہیں توڑتے) تو اُن کی باتیں بالکل مختلف ہو جاتی ہیں۔ تضاد بیانی اُن کے ہاں، بقول اجمل کمال، فنِ لطیف کے درجے پہ پہنچی ہوئی ہے۔ بیشتر لوگ سمجھتے ہیں کہ عسکری کے نظریات بدلتے رہے ہیں یعنی کبھی ترقی پسندی تو کبھی جدیدیت اور نیا ادب، کبھی اسلامی ادب، اسٹیبلشمنٹ عرف دائیں بازو کا ترتیب دادہ پاکستانی ادب اور تہذیبی اقدار، وغیرہ، جب کہ میں سمجھتا ہوں کہ ادب کے بازار میں جو سودا بک رہا تھا ایک مضمون نگار اُسی کے بارے میں لکھ رہا تھا۔ کالم نگار کا کیا اور کیسا نظریہ؟ نظریہ تو تخلیق کار کا ہوتا ہے (یا ہونا چاہیے)۔ لکھاری جب تخلیقِ ادب کر ہی نہیں رہا تو اُس کی کس چیز میں نظریہ تلاشا جائے؟ کسی فن پارے کی تحسین یا اُس کے معائب کو اجاگر کرتا مضمون کسی نظریے کا پالنہار کیسے ہوسکتا ہے؟ چنانچہ میری رائے میں یہ عسکری پر الزام ہے کہ وہ کبھی کچھ تھے اور کبھی کچھ۔ اور پھر زندگی کے عین کارگزار وقت میں اختیاری طور پر ادب و تنقید پر لکھنا لکھانا چھوڑ کر بالکل اور کاموں میں لگ جانے کا مطلب بھی یہی ہے کہ گو وہ ادب کے آدمی تھے تاہم وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ ادیب یا تنقید نگار نہیں رہے تھے اور اپنی زندگی ہی میں خود کو ادب سے لاتعلق (Irrelevant) کر گئے تھے۔ جس طرح مزاح ایک سنجیدہ کام ہے ویسے ہی تنقید نگاری بھی ایک

سنجیدہ کام ہے؛ عسکری اگر لکھنا نہ چھوڑتے تو یقیناً ادیب یا تنقید نگار شمار ہوتے۔ اِس قدر نظری تضادات کے باوجود میرے نزدیک اردو ادب و تنقید میں عسکری کی اہمیت اِس لیے قائم رہے گی کہ وہ ادب اور خصوصًا ادیبوں پر لکھنے لکھانے کی وجہ سے خاصی دیر تک اپنے دور کے اہم Litterateurs میں کسی نہ کسی طور موجود رہے۔ جنابِ شیخ کا نقشِ قدم یوں بھی رہا اور ووں بھی۔ اردو ادبی طرزیات میں اُن کا ذکر بہر طور آتا ہے۔ میرے نزدیک اردو ادب و تنقید میں عسکری کی اہمیت کی دس وجوہ ہیں:

10.1: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی پہلی بڑی وجہ اُن کا طالب علمانہ مزاج ہے؛ طالب علمانہ اِس معنی میں کہ اُن کے بعض مضامین سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ صرف اِس لیے نہ لکھ سکے کہ فلاں کتاب کا مطالعہ نہ کیا تھا یا صرف اِس لیے لکھ رہے ہیں کہ فلاں کتاب پڑھ چکے ہیں اور اب اُس پر یا اُس کی روشنی میں اپنے تاثرات بیان کریں گے۔

10.2: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے معروف تنقید نگار ہیں جنھوں نے بطور Profession فرانس کے اخباروں میں شائع ہونے والے کچھ مضامین سے تنقیدی روشنی لے کر اُس سے ہمارے پاکستانی (یا اردو) ادب کو منور کیا ورنہ اُن سے پہلے مغرب کے مطالعات ہمارے ہاں، بیشتر، صرف تخلیقی کاموں میں جھانکتے نظر آتے ہیں جیسے پطرس، تاثیر اور فیض وغیرہ میں۔ مثلاً ڈاکٹر محمد دین تاثیر نے انجمنِ ترقیِ اردو کی سٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری مرتبہ بابائے اردو پر ''دی سٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری'' کے نام سے معرکے کی تنقید لکھی تھی لیکن اِس میں تخلیق والی کوئی بات نہیں ہے۔ اِن سب پڑھے لکھے اور ذمہ دار عہدوں پر فائز نامور لوگوں کی تنقیدات میں انگریزی ادب اور نقادوں کے مطالعات کی اطلاع اور اُن سے بیش از بیش استفادے کے گہرے نقوش ملتے ہیں لیکن یہ سب لوگ By Profession نقاد نہ تھے یعنی اِن میں سے کسی نے تنقیدِ ادب کو کیریر نہیں بنایا۔ گو عسکری بھی By Profession تنقید نگار نہ تھے کیونکہ اُنھوں نے آخر الامر تنقیدِ ادب ہی نہیں، ادب سے بھی خود ساختہ جلاوطنی اختیار کر لی تھی۔

10.3: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی تیسری وجہ یہ ہے کہ وہ کسی دھڑے کے ''دلال'' یا ''اعلانچی'' بننے کے بجائے تنقیدی مضامین لکھنے کے فی نفسہٖ ٹھوس کام میں لگے رہے اور شدید قطبیت اور ادبی فسادات پیدا کرنے کے باوجود ادبی اختلاف کو، بیشتر، ذاتی مخالفت میں نہ بدلنے دیا اور اختلافِ رائے کو اختلافِ رائے ہی رہنے دیا۔ میری رائے میں عسکری پر کسی ادبی گروہ کا باقاعدہ رکن ہونے کا نشان نہ ہونا ہی اردو تنقید میں اُن کی اہمیت کی سب سے بڑی وجہ ہے۔ وہ اپنے کھڑتل مزاج اور ادبی سیاست کی وجہ سے اگرچہ بہت متنازع ہو کر رہ گئے لیکن اُن کا تنقیدی کم وکاست، حتمی نتیجے کے طور پر، ادب کی بہترائی کے لیے استعمال ہوا نہ کہ شدید آپسی لاگت بازیوں میں ضائع ہوا۔

اُنھوں نے سبھی کو اپنا مخالف بنا لیا تھا۔ ایک طرف ترقی پسند تحریک اُن کو رجعت پسند قرار دیتی اور اُن کے سخت خلاف تھی تو دوسری طرف اسلام پسند اُن کے اشتراکیت آسا خیالات کی وجہ سے اُن کے پیچھے پڑے رہتے تھے۔ اِس دوطرفہ بلکہ کئی طرفہ مخالفت کی ''برکت'' سے وہ ایک وقت تک نہایت متحرک ادبی زندگی گزارتے رہے۔

10.4: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی چوتھی وجہ یہ ہے کہ وہ سخت ادبی لڑائیوں کا حصہ ہوتے ہوئے بھی مخالف سیاسی دھڑوں کے بعض اہلِ فن کی قدردانی کرتے ہیں۔ اُنھوں نے ترقی پسندوں کے رسالوں نقوش، ادبِ لطیف اور سویرا کی بندش کے خلاف احتجاج کیا اور منٹو کی تحریروں کا اُس وقت دفاع کیا جب فحش نگاری کے الزام میں ترقی پسندوں نے اُن کو اپنے رسالوں میں چھاپنے پر پابندی لگا دی تھی۔ (مظفر علی سید کے خیال میں منٹو پر اعتراض کی اصل وجہ اُن کے سیاسی خیالات تھے نہ کہ فحش نگاری۔) اِسی طرح اُنھوں نے احمد علی اور غلام عباس کے فن کی بھی تعریف کی ہے۔

10.4.1: یاد رہے کہ عسکری خود چونکہ بنیادی طور پر مارکسی فکر رکھتے تھے اِس لیے اُنھوں نے اپنے قلم کو اپنے ادبی گروہ کی حمایت اور ہواخواہی میں پوری جانبداری سے چلایا۔ صرف ایک مثال لیجیے کہ اُنھوں نے سید احتشام حسین کے بارے میں یہ ہاتھی ڈباؤ جملہ لکھ کر قلم توڑ دیا ہے کہ ''پچھلے 35-40 سال میں اردو تنقید پر صرف ایک نقاد کی حکمرانی رہی ہے: سید احتشام حسین'' [6] اور اپنے بھانویں حالی کا نام اردو تنقید کی روایت سے نکال دیا ہے۔ [کلیم الدین احمد سے اختلاف کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ عسکری مارکسی فکر سے متاثر تھے نہ کہ کارل مارکس (Karl Marx) سے، کیونکہ اُنھوں نے لکھا ہے اُنھوں نے اشتراکیت مارکس سے نہیں ایچ جی ویلز (H G Wells) سے سیکھی تھی۔]

10.4.2: تنقیدِ شعر میں عسکری نے اپنا بہت سا زور فراق کو باقی شعرا سے بہتر ثابت کرنے میں صرف کیا حتیٰ کہ میر تک کو نہیں بخشا (جس کی بعد میں صفائیاں بھی دینا پڑیں)۔ فراق بڑے شاعر ہیں اور خوبصورت کرافٹسمین شپ کے ساتھ اپنے دور کی روحِ عصر سے مربوط، لیکن صرف اُن کے لیے اپنا بیشتر تنقیدی زور استعمال کرنا عسکری کا نادرست فیصلہ تھا جس نے اُن کے ذہنی افق نیز ادبی رسائی کو محدود کیا۔ ایک وقت تک فراق کا جادو سر چڑھ کر بولتا تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ اُن کے قارئین برابر کم ہوتے جا رہے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عسکری کی فراق پر لکھی فدویانہ تنقید بھی غیر متعلق (Irrelevant) ہوگئی ہے۔ اُس دور میں کئی بہتر ادیب و شاعر موجود تھے لیکن عسکری کا اُن کو محض معرضِ ذکر تک میں نہ لانا مجھے تب بھی کھلتا تھا اور آج تک یہ ناگوار احساس دل میں جاگزیں ہے۔ اِس Annihilation کی وجہ اِن لوگوں کا مختلف ادبی یا لسانی گروہوں سے متعلق ہونا بھی یقیناً تھا تاہم

عسکری کے اِن پر نہ لکھنے کہ وجہ سے اِن کی علمی وادبی حیثیت میں کوئی کمی نہ آئی اور یہ آج تک اپنی اپنی جگہ پر سہی قدی سے کھڑے ہیں۔عسکری کے فراق ہی کو موضوعِ سخن بنائے رکھنے کی وجہ سرحد کے پرلی طرف کے ادب داروں کو اعزاز دینا بھی ممکن ہے اور سیاسی ضرورت ہونا بھی۔

10.5: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی پانچویں وجہ یہ ہے کہ وہ انگریزی ادب اور معاییرِ تنقید سے بہت متاثر ہیں تاہم اُن کے بارے میں حالی کی طرح یہ غلط بات مشہور نہیں کی گئی کہ وہ اردو ادب کو انگریزی تنقید کی سپر داری میں دے دینے والا رویہ رکھتے ہیں یا اُن پر مدافعانہ نفسیات حاوی ہے۔اِس کی وجہ یہ ہے کہ وہ موقع بموقع مغربی ادب و تنقید کی سطحیت اور اتھلے پن کو اپنے کٹیلے فقروں سے ظاہر و باہر کر دیتے ہیں جب کہ حالی وقار و تمکنت اور فی نفسہٖ ادب کے لیے احترام کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے جسے سہل انگاری اور جلد بازی میں معذرت خواہانہ (Apologetic) رویہ سمجھ لیا جاتا ہے۔عسکری نے مغربی نقادوں اور فنکاروں کو quote کیا ہے لیکن بیشتر نگاہِ خطا ہیں سے، گو مآلِ کار اُن کی ساری ادبی سرگرمی اردو ادب وطرزیات میں مغرب، مغربیت اور مغربیات کی جگہ بنانے ہی کے لیے بروئے کار ہوئی کیونکہ اِس سے بیشتر اردو والے نہ صرف مرعوبیت بلکہ مستقل احساسِ کمتری و شرمندگی (OCD) کا شکار ہوئے۔''کوئی بھی ٹھیک نہیں ہے'' والی نرگسیت ہمارے ادب اور تنقیدِ ادب کو عسکری سے ملنے والا تحفہ ہے۔

10.5.1: میری رائے میں عسکری نے ادب، مذہب اور سیاست تینوں میں مغرب سے بھرپور استفادہ کیا اور (1) اردو والوں کو کئی مغربی نقادوں ادیبوں اور مغربی ادبی طرزیات ورجحانات سے متعارف کرانے میں اپنا حصہ ڈالا، (2) رینے گینوں (René Guénon) کی متصوفانہ فکری روایت کا ذکر اردو والوں میں شروع کیا، اور (3) وطنِ عزیز کے ادیبوں میں بائیں بازو کے فرانسیسی ادیبوں والی اُس لہر کو قائم کرنے کی کوشش کی جو اجتماعیت پرستی سے بچتے ہوئے فرد کی ذہنی آزادی اور ملک کا ذمہ دار شہری ہونے کی اعلیٰ صفات سے مالا مال ہے۔ [اجتماعیت پرستی کا ذکر آیا تو جان سٹیورٹ مل (John Stuart Mill) کی On Liberty سے مستفاد یہ کوندا ذہن میں لپکا کہ عسکری ایک دور میں اپنے دائیں بازو والے متشدد خیالات کی وجہ سے جہاں فوقانی آمریت (Tyranny from above) کے سخت حامی نظر آتے ہیں (مثلاً تعلیم اور ادب کو ریاستی کنٹرول میں دینے کے) وہیں جمے جمائے ادبی خیالات والی اکثریت کی آمریت (Tyranny of majority) کے بنائے بت توڑتے بھی نظر آتے ہیں۔ایسے مواقع پر عسکری کو اردو تنقید کا غزنوی یا بت شکن کہا جانا چاہیے۔]

10.5.2: اپنے دور کے کئی اہم لوگوں کی طرح عسکری بھی مغرب کے ادبی نظریے (Theory) کے بارے میں

کبھی خوش گمان نہیں رہے۔ اُن کے نزدیک مغرب کا ادبی نظریہ مشرقی ادب کی خوبیوں کے بڑے حصے کو مخاطب ہی نہیں کرتا اور اگر مغربی ادب کے غالب رجحانات کی پیروی کی جائے تو مشرق والے زیادہ سے زیادہ مغرب جیسے ادب کی ایک نقل (Replica) تیار کرلیں گے، اور جب مغربی ادب اپنی فطری موت مرے گا تو چندے بعد مشرقی ادب بھی مرجائے گا۔ ادب پر لکھنا لکھانا چھوڑ کر لاتعلق ہوجانے سے پہلے ادب اور ادبی نظریے کے بارے میں یہ مایوسی عسکری کے ہاں رفتہ رفتہ فی نفسہٖ اردو ادب کے بارے میں بھی آ گئی تھی۔

10.5.3: یہ بات بہرحال قابلِ بحث ہے کہ ''مغرب کا ادبی نظریہ'' کس چیز کو کہا جارہا ہے؟ اول تو یہی طے نہیں ہے کہ صنم کی کمر کی طرح مغرب کہاں ہے، کس طرف کو ہے، کدھر ہے؟ اور پھر یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کسی خاص دور میں کسی ایک ملک کے ایک یا بعض حلقوں میں زیرِ بحث رہنے والی کتاب یا ایک ادبی رسالے میں چھپنے والے بعض مضامین کو خوش گمانی سے پورے ''مغرب کا ادبی نظریہ'' باور کرانے جیسی تعمیم کرنا کس حد تک درست ہوسکتا ہے؟ چلیے ہم یہ بھی مان لیتے ہیں کہ چھ سات دہائیاں پرانا کوئی ادبی نظریہ ایسا تھا کہ اُس کی مغرب ہی میں کوئی مخالفت نہیں ہوئی بلکہ اُسے یورپین یونین کے تمام ممالک اور جون جون سے ممالک کو ہم ''مغرب'' مانتے ہیں اُن سب کی حکومتوں نے اپنا سرکاری ادبی نظریہ تسلیم کرلیا تھا، تب بھی یہ سوال ضرور کیا جاسکتا ہے کہ اُس چھ سال دہائی پرانے نظریے کو آج بھی مغرب کا نظریہ کہا جاسکتا ہے؟ اور کیا اِس طرح پیدا کیے گئے ذہن کو پورے مغرب کا نمائندہ کہنا جائز ہوگا جب کہ یہ بات واضح ہے کہ دائیں اور بائیں بازو کے ادبی ذہن میں چھتیس کا آنکڑا ہوتا ہے؟ اور کسی ایک یا بعض لوگوں کے مضامین پر عائد کی گئی اپنی تفہیم کی بنیاد پر اردو میں لکھے گئے مضامین میں گرم سرد ہونا کس قدر Relevant اور In line with ہوسکتا ہے؟ جب ہم اِس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ادب کا تعلق اپنے پیدا کرنے والی تہذیب اور اُس کے زمان و مکان سے ہوتا ہے تو کیا کسی اور تہذیب کے پیدا شدہ ادب پر اپنی تفہیم عائد کرنا درست علمی رویہ ہے؟ اور اگر اِس چیز کو عالمگیریت (Globalization) کے تناظر میں درست باور کیا جائے تو کیا یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ بعضے (مالدار) ممالک اپنے مفادات کے لیے ادبی بحثیں اٹھا رہے اور نتیجۃً کرائے کا ادب پیدا کرا رہے ہیں؟ یوسفی صاحب قبلہ یاد آئے جنھوں نے لکھا ہے کہ چھوٹے ملکوں کا تو موسم بھی اپنا نہیں ہوتا۔ ہمارے ہاں کا ادب اور اِس میں پیدا ہونے والی کوئی تحریک و رجحان بھی خالص دیسی اور اپنا نہیں ہوتا۔ ہم خودمختار ادب کے پیدا کار (Independent Literature Producers - ILPs) نہیں ہیں، بلکہ ادب خودمختار ہو ہی نہیں سکتا۔

10.5.4: جس زور شور سے عسکری مغرب اور مغربیت کا رد وارتداد کر رہے تھے، مجھے خوش گمانی تھی کہ وہ تنقیدِ ادب کے کچھ مشرقی معیارات ضرور مرتب کریں گے اور اُن کی کسوٹیوں پر اپنے (اردو کے) ادیبوں کے تخلیق

کیے ہوئے ادب کی جانچ برائے نمونہ وتعلیم کریں گے لیکن نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ایسی کوئی کوشش اُن کے ہاں نہیں ملتی۔ تعمیری کام عسکری کے ہاں واقعی نہ ہونے کے برابر ہے چہ جائیکہ اُن سے تعمیرِ تنقیدات کی امید کی جاتی۔ حد یہ ہے کہ اُن کی آخری کتاب بھی جدیدیت یا مغربی گمراہیوں کی تاریخ ہے یعنی مغرب کی خرابی ہی کا ذکر مذکور ہے نہ کہ مشرق والوں کو کسی متبادل علمیات (Body of Knowledge - BoK) کی فراہمی۔ نتیجہ یہ ہے کہ اردو کے طلبہ ونقاد آج تک اپنا ادب پیدا کرنے والی تہذیب وثقافت کو ادبدا کر مغربی تنقید کی کسوٹیوں ہی سے ناپنے تولنے پر مجبور ہیں۔ عسکری کے بہت سے مضمونوں میں موضوعات کسی نہ کسی مغربی اصطلاح کے گرد گھومتے ہیں اور ذرا دیر میں اندازہ ہوجاتا ہے کہ آج کس مشرقی (اردو) ادیب کی باری آئی ہے۔ وہ اِس پہلو پر غور نہ کرسکے کہ مغرب کے لتے لینے میں غلو کرنے والے کئی پرجوش لوگ انجانے میں مغرب ہی ایجنڈے کو بڑھاوا دے رہے ہوتے ہیں۔

10.5.5: ایک اہم بات یہ ہے کہ اردو کے بیشتر لکھاریوں کی طرح عسکری کا تصورِ مغرب بھی نہایت غیر واضح ہے اور اِسے واضح کرنے کی کوشش بھی اُن کے متون میں نہیں ملتی۔ چنانچہ جب وہ ''پیرویِ مغربی'' کے ارتداد میں مغربیات کی بابت بلند آہنگی سے اظہارِ خیال کرتے ہیں تو یہ اُسی طرح خانہ ساز یا بیشتر سنی سنائی پر مبنی Sweeping/ Hasty Generalization یا Stereotyping ہوتا ہے جیسے عام لوگوں کا ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ مغرب سے مراد کچھ بھی ہوسکتا ہے یہاں تک کہ کوئی نظام بھی، مثلاً سپینگلر (Oswald Spengler) کے The Decline of the West میں West سے مراد کوئی جغرافیائی سرحد نہیں ہے بلکہ کیپٹل ازم اور جمہوریت کا نظام ہے۔ چنانچہ مغربیات کے رد میں عام پرجوش مسلمانوں کی طرح عسکری بھی مغرب کو ایک مجسم وجود بنا کر دم لیتے ہیں اور بالآخر انگریز، انگریزی وانگریزیت ہی کے خلاف زوراز اری کرتے ہیں، حتیٰ کہ انگریزی-فرانسیسی جھگڑے میں بھی ہمیشہ فرانسیسی ادب کی طرفداری کرتے ہیں۔ عسکری کا تصورِ مشرق بھی اِسی طرح غیر واضح ہے، اور وہ مشرقیت کو اسلام کا مترادف باور کراتے نظر آتے ہیں۔

10.5.6: لیکن مغرب کے معاییرِ ادب وتنقید اور مغربیت کے اثرات کے تخمین وظن کے بارے میں اگر کوئی موازنہ حالی وعسکری کرنا چاہے تو اُسے یہ کبھی نہیں بھولنا چاہیے کہ حالی نقاد ہیں اور عسکری مضمون نگار، اور یہ کہ حالی کسی شخصیت یا تحریک کے اسیر نہیں ہیں بلکہ خود تحریک ساز اور اردو تنقید کی شاہراہ کا نقطۂ آغاز (Zero point) ہیں، اور اِس قدر ثابت القول اور دھاکڑ نقاد ہیں کہ اُنھوں نے نہ سرسید کا اثر قبول کیا تھا اور نہ اکبر الٰہ آبادی کا۔ وہ اپنے دور میں نہ صرف اکیلے نقاد تھے اور اُنھیں مغرب سے نئے نئے علوم پڑھ پڑھا کر آئے لائق لوگوں کا ماحول مہیا نہ تھا بلکہ وہ اُس دور میں اردو شعر وشاعری کا مقدمہ لکھ رہے تھے جب تمام معلوم دنیا کا وہ سفاک ترین

پَرا ہم یہ حکمران تھا جس کی سلطنت پر سورج غروب نہیں ہوتا تھا اور جس کے حضور پیش ہونے کی ذلت سے حالی اور اُن کے دور کے موالی آئے دن گزرتے تھے، جب کہ عسکری نے یہ کام اُس وقت کیا جب نوے سالہ غلامی کی سیاہ رات کٹنے کے بعد آزادی کی صبح طلوع ہو چکی تھی، یونین جیک لپیٹ کر واپس بھیجا جا چکا تھا، جو شیلے مسلمان آزاد وطن کے تازہ تازہ خمار میں ہر سُو ریاستِ مدینہ اور خلافتِ راشدہ کی نشاۃ الثانیہ کی مہما گاتے پھر رہے تھے اور گھر گھر اسلامی آئین بنانے کی صنعت لگی ہوئی تھی۔ اہم تر بات یہ ہے کہ عسکری اپنے مضامین دنیا کی سب سے بڑی اسلامی نظریاتی مملکت پاکستان میں بیٹھ کر اور مقتدرہ کے اپنی پشت پر ہونے کے یقین کے ساتھ لکھ رہے تھے نہ کہ ہندوستان میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور بیشتر اکثریت کے نشانے پر؛ اور وہ تنقید لکھتے وقت اِس تکلیف دہ احساس میں مبتلا نہیں تھے کہ وہ ایک اقلیتی قوم کے فرد ہیں اور نہ حالی کی طرح انگریز کے غلام۔

10.6: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی چھٹی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی فعال ادبی زندگی کے دور میں معاشرے کے زندہ مسائل سے جڑے ہوئے تھے اور صرف نظری بحثوں نہیں بلکہ عموماً عملی اِقدامات کے خواہاں ہوتے تھے، چنانچہ اُن کے ہاں مستقبل بینی پائی جاتی ہے۔ مذہبیات کا ہو رہنے سے پہلے بھی وہ ماضی کی ماضیت میں کھوئے یا ماضی کو سنوارتے نہیں پائے جاتے بلکہ حال و مستقبل کو بہتر بنانے کی دھن میں رہتے ہیں۔ مثلاً جن دنوں وہ خلافتِ راشدہ کی مثالیں دیتے تھے تب بھی اُن کا مطمحِ نظر حال کی بہتری ہوتا تھا۔ وہ یہ جانتے تھے کہ معیشت ملکی و قومی استحکام کی ریڑھ کی ہڈی ہے چنانچہ وہ کمیونزم اور اشتراکیت سے لگاؤ کی وجہ سے اشتراکی انداز کی معاشیات کے مسائل کو زیرِ بحث لاتے رہتے تھے۔ اُن کے ہاں، ایک وقت تک، سماجی معاشیات کے موضوع پر اِتنا زیادہ اور اِتنا نپا تلا گفتہ ملتا ہے کہ بسا اوقات وہ ادبی تنقید نگار سے کہیں زیادہ ایک پرجوش معاشی ریفارمر اور باخبر معاشی تجزیہ کار نظر آتے ہیں۔

10.7: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی ساتویں وجہ یہ ہے کہ اُن کے بارے میں پیشینگوئی کرنا ممکن نہ تھا کہ الآن اُن کی یہ رائے ہے تو اگلے ہی لمحے کیا ہوگی، کیونکہ وہ بڑھی ہوئی حساسیت، کثرتِ مطالعہ اور تجزیاتی ذہن کے باعث تلوینی مزاج میں پختہ ہو گئے تھے۔ تجزیاتی سوچ رکھنے والے بامطالعہ کتاب دوست شخص کی رائے کا بدلتے رہنا کوئی عیب نہیں ہے۔ وہ ایک مضمون کو شروع کرتے وقت اگر ایک نقطۂ نظر رکھتے ہیں تو امکان پایا جاتا ہے کہ مضمون ختم کرتے کرتے اُن کا نقطۂ نظر جوہری طور پر تبدیل ہو چکا ہو۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ جب کسی کی کوئی بات مجھے قائل کر دے تو میں نہایت بے شرمی سے اپنی رائے بدل دیتا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اپنے بارے میں یہ دعویٰ کرنا کوئی آسان بات ہے۔ وہ سخت شدت پسند تھے لیکن باہوش، چنانچہ پنڈولم کی طرح ایک دوری کی انتہا پہ جا چکنے کے باوجود دوسری دوری کی انتہا پہ جانے کے امکانات سے تہی نہ تھے۔ یہ طرزِ عمل اُن کی ساری زندگی میں ملتا ہے جس سے اُنھوں نے نقصان تو پایا ہی پایا، فائدہ بھی پایا۔ مثلاً وہ اسلام بطور سماجی ثقافت یا Way of Life اور اسلام

بطور مذہب کے مخمصے سے بسہولت اور بسلامتی نکل گئے۔ وہ سخت ترین تشکیک کا شکار ہونے کے دنوں میں بھی مذہب و مذہبیان کا تمسخر کرتے نہ پائے گئے، اور لوٹے کی ٹونٹی میں سے اسلام کا کلچر تلاشنے اور اردو لکھاوٹ کی طرزیات کو خانۂ کعبہ کا طواف کرتے دیکھنے تک جیسی مذہب زدگی یا زود مذہبیت (Over-religiosity) کے دنوں میں بھی بشریت کے خیمے میں رہے۔ (وطنِ عزیز میں آج کل جو تکفیری و تفسیقی لہر چل رہی ہے جس میں انسانی جان محض ایک خواب کی مار رہ گئی ہے اور ایک قوم کی قوم مظلومانہ بیمار احساسِ تفاخر میں مبتلا ہو چکی ہے، میں یہاں برائے تفہیم اُس کی مثال لانا بہتر سمجھتا ہوں کہ Hypermania کے بعض مریض مہدویت، پیغمبریت یا خدائیت قسم کا دعویٰ کرنے والی Grandiostomy تک بھی چلے جاتے ہیں۔ بالوضاحت عرض ہے کہ اِس مثال کا عسکری سے کوئی تعلق نہیں ہے۔)

10.7.1: تجزیاتی سوچ بسا اوقات نتائج پر پہنچنے میں جلدی کرنے کا سبب بھی بن جاتی ہے، چنانچہ عسکری کی کئی آراء اور ادبی اندازے غلط اور ایک طرح سے Anecedotes ثابت ہوئے۔ مثلاً اُنھوں نے قدرت اللہ شہاب کی صلاحیتوں کو اُن کی ابتدائی تحریروں ہی سے بھانپ لیا اور اُنھیں بڑا فکشن رائٹر کہا، جمیل الدین عالی کے بارے میں لکھا کہ جن دو ڈھائی شاعروں سے مجھے دلچسپی ہے اور جن کا میں بغور مطالعہ کرتا رہتا ہوں اُن میں سے ایک عالی ہیں، اور اِسی طرح یزدانی ملک کے افسانوں میں فن نظر آنے کی اطلاع۔ یہ بات واضح ہے کہ عسکری کی اِن تینوں ادیبوں کے بارے میں مشفقانہ تنقیدی آراء کی وجہ ایوب خانی مارشل لاء کے دور میں اِن تینوں کے سرکاری عہدے تھے۔

10.8: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی آٹھویں وجہ یہ ہے کہ کئی کتابیں یادگار چھوڑنے کے باوجود اُنھوں نے کوئی مرتب نظامِ فکر نہیں چھوڑا جس کی وجہ سے آج جامعاتی (اکڈیمک) تحقیقوں میں اُن کا مطالعہ شامل نہیں ہے، لیکن اِس کا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اُن سے اثر لے کر لکھنے والوں پر کسی اِزم یا گروہ کا ٹھپہ نہیں لگتا سوائے اِس کے کہ وہ عسکری کا دبستان کہلاتے ہیں جو بجائے خود ایک پہچان ہے۔ (تاہم جیسا اوپر لکھا، نظریہ سازی تنقید کا منصب نہیں بلکہ تخلیقی و ادبی نظریات کی وضاحت و پرکھ تنقید کا منصب ہے۔ نقاد اگر تخلیق نگار بھی ہے تو نظریہ سازی بھی ممکن ہے۔ چنانچہ یہ ایک الگ بحث ہے کہ کسی مضمون نگار سے مرتب نظامِ فکر کا تقاضہ کیا بھی جائے یا نہیں)۔ عسکری نے نظریہ ضرورت کے تحت تنقیدِ ادب اور فنونِ لطیفہ کی کئی جہتوں پر متفرق مضمون اور کالم لکھے ہیں نہ کہ کوئی مربوط تحقیقی یا تنقیدی مطالعہ/نظریہ پیش کیا ہے۔ کالم کی زندگی ایک دن اور مضمون کی زندگی ایک یا چند ماہ ہوتی ہے لیکن اُن کے بہت سے کالموں اور مضامین نے لمبی زندگی پائی۔ ایک طویل مدت تک وقفے وقفے سے چھپنے کی وجہ سے مختلف لوگ اُن کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہیں؛ یہ سب اپنی اپنی جگہ درست ہوتے ہیں اگرچہ پورا عسکری کسی کے پاس نہیں، اور

نہ ہر ایک کو اِس کی ضرورت ہی ہے۔ اگر عسکری کوئی مرتب نظامِ فکر چھوڑ جاتے تو اقبال کے الفاظ میں اُن کو اردو ادب وتنقید کا یکے از پیغمبرانِ بے کتاب کہا جا سکتا تھا۔ للہ اِس جملے کو عسکری کی ''ہوالمارکس'' والی پھبتی کا جواب نہ سمجھا جائے۔

عسکری نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''... میرا ابھی کوئی کردار نہیں ہے۔ ہوا کی ہر موج کے ساتھ میری رائیں اور خیالات بدلتے ہیں...'' (اِس کا حوالہ ''فصل دوم: بازمطالعۂ عسکری'' میں آ رہا ہے) چنانچہ میری رائے میں اُن کی کسی رائے کو حتمی بتانا ہی نہیں چاہیے۔ فرانس سے اُن کے پاس غالباً ژاں پال سارتر کا جاری کردہ پندرہ روزہ Les Temps Moderns یا روزنامہ Le Monde کا ہفتہ واری ایڈیشن آتا تھا چنانچہ اُن کے پاس مغرب میں چلنے والی بعض ادبی بحثوں کی تازہ بتازہ اطلاعات ہوتی تھیں، تاہم وہ اِس قدر حقیقت پسند ہیں کہ اپنے بارے میں صاف بتاتے ہیں کہ اُن کا نہ کوئی کردار ہے اور نہ وہ واثق الرائے ہیں، یعنی اُن کی رائے کسی بھی وقت بدل سکتی ہے۔ تو پھر کہاں کا نظریہ اور کیسی رائے؟ چنانچہ جو لوگ عسکری کی کسی رائے کی بنیاد پر کوئی بحث اٹھاتے ہیں وہ دراصل اپنا رانجھا راضی کر رہے ہوتے ہیں۔ اور مزے داری کی بات یہ ہے کہ اُن کی اُس رائے کے مخالف بھی کوئی رائے مل جاتی ہے۔ القصہ عسکری کے مضامین میں اِس قدر تنوع ہے کہ دیوانِ حافظ کی طرح کوئی شخص فال نکالنے کے انداز میں اُن کے کسی مجموعۂ مضامین کو کہیں سے کھول لے تو اُسے اپنی تحریر کی عمارت اٹھانے کے لیے مناسب نکتہ مل سکتا ہے۔ اور یہ لکھنے والا اگر شوقیہ (Amateur) لکھاری ہو یعنی محقق نہ ہو یا تنقیدِ ادب کا باقاعدہ طالبِ علم نہ ہو تب بھی اچھا خاصا زوردار تاثراتی مضمون لکھ لیتا ہے خواہ اُس کی بنیادی معلومات بھی نادرست کیوں نہ ہوں۔ الغرض عسکری سے اثر لے کر لکھنے والا دور سے پہچانا جاتا ہے۔

10.9: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی نویں وجہ یہ ہے کہ وہ ''وقت کی انکاری روح'' ہونے کے باوجود بے ٹھور نہیں تھے بلکہ، بقولِ خود، ایسے دو لوگوں سے خود کو منسلک کرنے میں کامیاب رہے جن کے فیض سے اُنھوں نے ''احترام اور عظمت کے کھوئے ہوئے احساس کو دوبارہ پا لیا''، یعنی ستیش چندر دیب (Satish Chandra Deb) اور فراق گورکھپوری، جو اُن کے استاد تھے۔ لکھتے ہیں: ''اِنہی قدموں کی برکت ہے کہ میں اپنی اہمیت کا کبھی قائل نہیں ہوا۔ میں دیوقامت افراد کا وجود تسلیم کرتا ہوں اور اُن سے اپنا قد ناپتا رہتا ہوں۔'' امرِ واقع ہے کہ عسکری بسا اوقات خود کو ادیب لکھتے ہوئے بھی ہچکچاتے تھے۔ اُنھوں نے لکھا ہے کہ آخر میں اپنا نام میر، مارسل پروست (Marcel Proust)، جیمز جوائس (James Joyce) کے ساتھ کیسے لکھ سکتا ہوں؟ ڈاکٹر محمد خورشید عبداللہ کی طرح میں بھی اِس انکسار کو ایک سچے ادیب کی عاجزی اور فروتنی سمجھتا ہوں، گو ذاتی زندگی اور تحریروں میں وہ خاصے Blatant اور Control Freak نظر آتے ہیں۔ اُن کا جو سلسلہ پروفیسر خواجہ منظور حسین اور ڈاکٹر تاثیر جیسے

پڑھے لکھے حیثیت دار لوگوں سے چلا ہے وہ یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ عجز وانکسار کو اُن کا ''مزاج'' سمجھنا کسی طور درست نہیں؛ یہ ایک کیفیت تھی جو اُن پر کبھی طاری ہو جاتی تھی۔

10.10: اردو تنقید میں عسکری کی اہمیت کی دسویں وجہ یہ ہے کہ اُن کی تنقید اور فقرے بازی جو بلاشبہہ انہدامی ہے، بعض تخلیق کاروں کی تخلیقی صلاحیت کو صیقل کرتی بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً ناصر کاظمی نے تغزل کا نعرہ اور Keyword عسکری کی اِسی تشجیع کی وجہ سے استعمال کرنا شروع کیا، اور فراق کی حیاتِ ادبی کے سب سے بڑے Lubricant تو ہیں ہی عسکری۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ جن لوگوں کے خلاف وہ خود لکھ سکے اُن کے ''بت توڑنے'' کی غزنویانہ مہم میں اُنھوں نے کوئی پتھر الٹائے بغیر نہ چھوڑا اور جن کے خلاف بوجوہ خود نہ لکھ سکے اُن پر کسی نہ کسی کو ہشکار دیا۔

المختصر، عسکری اپنے فعال ادبی دور کی ایک بلند آہنگ ادبی شخصیت تھے اور صرف تنقید نگار نہیں بلکہ اپنے دور کی روحِ عصر کے ایک اہم نمائندہ تھے۔ بقول شمس الرحمٰن فاروقی، ''عسکری صاحب کی تنقید کا اثر ونفوذ کبھی اردو ادب میں کم نہیں ہوا''۔ نیز میں سمجھتا ہوں کہ عسکری نے کسی مالی منفعت یا سماجی رتبے کے حصول (پروفیسری وغیرہ) کے لیے مضامین نہیں لکھے۔ وہ نہایت کٹر مذہبی ہونے کے باوجود اول وآخر ایک ادیب تھے اور دوسروں کو اپنے مطالعہ میں شریک کرنے کے فن سے بخوبی آگاہ، جو اُنھوں نے بہت کامیابی سے کیا۔ اِن مضامین یا کالموں سے اُنھیں کوئی یافت کہاں ہوتی ہوگی۔ کم سے کم میرا تو یہی خیال ہے۔

☆

میں کیا جانتا ہوں؟/ میں کہاں کھڑا ہوں؟:

س: آپ نے عسکری کے متون کے مطالعے سے کیا سیکھا؟

ج: عسکری کے متون کے اپنے دس سال پرانے مطالعے سے میں نے اب تک مندرجۂ ذیل دو چیزیں سیکھی ہیں:

اوّل: کسی چیز کے بارے میں رائے بدلے تو نئی رائے قائم کرنے میں دیر بالکل نہیں کرنی چاہیے؛ اور

دوم: جن لوگوں کو خدا نے عزت دے رکھی ہو اُن کا احترام کرنا چاہیے۔

یہ تو ہو گیا Pre-Test۔ میں نے کوشش کی ہے کہ قریب قریب دس سال پرانے مطالعے سے عسکری کی جو تصویر اب تک میرے ذہن میں ہے اُسے کسی طور نپے تلے انداز میں (Quantifying Terms میں) یہاں سپردِ قرطاس کر ڈالوں۔

☆☆☆

تحریر:7/دسمبر2019ء

تکمیل:17/نومبر2020ء

(اِس مضمون کا دوسرا اور تیسرا حصہ معیار کے آئندہ شمارے میں **نقاد کی پیمائش (۲)** کے عنوان سے پیش کیا جائے گا۔)

مآخذ/اسنادِ محولہ

حواشی:

اِس مضمون میں ہلالین میں بقیدِ صفحہ نمبر جو بھی حوالے یا اقتباسات دیے گئے ہیں وہ پروفیسر عزیز ابن الحسن کی محمد حسن عسکری: ادبی اور فکری سفر کے ہیں یا اِس میں سے بطور ثانوی مآخذ لیے گئے ہیں اِس لیے اِن کا ذکر حواشی میں نہیں کیا جا رہا۔ نیز عسکری کے مضامین کے صرف نام کا حوالہ دیا گیا ہے کیونکہ اُن کی کتب اور مجموعوں کے بہت سے ایڈیشن مارکیٹ میں موجود ہیں؛ جسے جس حوالے کی ضرورت ہو وہ متعلقہ مضمون کسی بھی ایڈیشن سے دیکھ لے بجائے اِس کے کہ کسی مخصوص ایڈیشن کی دستیابی کی کاوش کرے۔ بقیہ حوالے مندرجۂ ذیل ہیں:

[1]: "A stupid man's report of what a clever man says can never be accurate, because he unconsciously translates what he hears into something he can understand." [goodreads.com/quotes/183902]

[2]:تخلیقی عمل اور اسلوب،ص-9(باندک تصرف)

[3]:تحسینیات،ص-107

[4]:بحوالہ یادوں کی سرگم،ص-38

[5]:اردو تنقید پر ایک نظر مع اضافہ جدید،ص-378

[6]:بحوالہ اردو تنقید پر ایک نظر مع اضافہ جدید،ص-339

کتابیات/رسائل:

[1]:ابنِ انشاء:خمارِ گندم،لاہور اکیڈمی،205سرکلر روڈ لاہور۔1980

[2]:احمد،کلیم الدین:اردو تنقید پر ایک نظر مع اضافہ جدید،ادارہ فروغِ اردو،پٹنہ۔1957

[3]:احمد،کلیم الدین:اردو تنقید پر ایک نظر مع اضافہ جدید،سبزی باغ،پٹنہ-4۔1983

[4]:ریاض احمد، ریاض:ابنِ انشاء: احوال و آثار،انجمنِ ترقیِ اردو پاکستان، کراچی۔1988

[5]:سہیل عمر:''مقدمہ''مشمولہ تخلیقی عمل اور اسلوب،نفیس اکیڈمی، کراچی۔1989

[6]:عابد صدیق:تحسینیات، دوسرا ایڈیشن،مغربی پاکستان اردو اکادمی لاہور۔دسمبر2012

[7]:عابد صدیق:مغربی تنقید کا مطالعہ: افلاطون سے ایلیٹ تک،تیسرا ایڈیشن، پورب اکادمی اسلام آباد۔2008

[8]:عزیز ابن الحسن:محمد حسن عسکری: ادبی اور فکری سفر ،اقبال انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد۔2019

[9]:عسکری،محمد حسن:مجموعہ محمد حسن عسکری،سنگِ میل پبلی کیشنز لاہور۔ 2008

[10]:مظفر علی سید:یادوں کی سرگم،شعبہ اردو جی سی یونیورسٹی لاہور۔2007